عنایت نامہ

شہلا صدیقی

Abstract :

Humour and sense of humour plays not only an important role in life but also in literature . Humour produce the strength to bear the crude realities of life. So like all the literatures of the world urdu literature has singnificant tradition of Humour. In this tradition prof Inayat Ali Khan is an important name who has Trageted such realities of life which are present in one form or the other through and Satire.He has also written serious poetry. Most of his fams is associated with his humour poetery and his serious poetry is given Comparatively less importance. But it me study his serious poetry. It is eviden that this past also have numerous characeristics of diclion and ideas. The present study is an attempt to anaylze both serious and Humour poetry of prof Inayat Ali Khan , which is relevant and meaningful in accordance with the realities of modern Todays life

آج جبہّ ودستار اور شعروشاعری میں تعلق عجیب محسوس ہوتا ہے ۔کیونکہ فی زمانہ مذہب اور ادب زندگی کے دوالگ بلکہ متضاد شعبے سمجھے جانے لگے ہیں۔عہد موجود میں کسی ادیب و شاعر کا دین سے تعلق اور کسی دین دار کی شعروادب سے وابستگی حیرت میں مبتلا کردیتی ہے اور یہ ''دوئی'' دورحاضر کی دین ہے کہ زندگی بنیاد پرستی اور روشن خیالی میں الجھ کررہ گئی ہے ۔ ورنہ ایک دور میں تو ہمارے مولانا، مولانا شبلی نعمانی، حسرت موہانی اور ظفرعلی خاں جیسے ہوتے تھے ۔خوبی قسمت کہ موجودہ عہد میں پروفیسر عنایت علی خان نے اس روایت کو زندہ کرکے دین وملت اور شعروادب کے تعلق کومضبوط کیا ہے۔

یوں تو پروفیسر عنایت علی خان مزاحیہ شاعری کے حوالے سے شہرت رکھتے ہیں اور مشاعروں کے مقبول شاعر ہیں ۔مزاحیہ شاعری کے ساتھ سنجیدہ شاعری میں بھی ان کا قلم رواں ہے ۔ان کی شاعری سننے کے ساتھ پڑھنے سے بھی تعلق رکھتی ہے اور تاثیر کی حامل ہے ۔

عنایت علی خان کا تعلق ٹونک راجستھان سے ہے جہاں وہ ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے ۔ ۱۹۴۸ء میں عنایت علی

خان پاکستان آگئے اور حیدرآباد میں قیام کیا۔۱۹۶۲ء میں پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے ایم۔اے اردو امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ ناسازگار معاشی حالات کی وجہ سے کم عمری میں ہی نوکری کرنا پڑی۔ درس و تدریس کے پیشے منسلک رہے، ٹیوشنیں بھی پڑھائیں اور ماہر تعلیم کی حیثیت سے کئی درسی کتب بھی ترتیب دیں۔ مقامی اخبارات میں فکاہی کالم بھی لکھے۔ نیز ریڈیو اور ٹی وی پر ان کے دینی و اخلاقی پروگرام بھی نشر ہوئے۔

اب تک چھے شعری مجموعے نہایت، عنایتیں کیا کیا، کچھ اور، اور کچھ، از راہ عنایت اور عنایات کے نام سے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ان مجموعوں کا بیشتر کلام ''کلیات عنایت'' کی صورت میں طبع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکا ہے۔

عنایت علی خان کا تعلق علمی و ادبی گھرانے سے ہے۔ نانا، دادا، والد، والدہ، ماموں، ماموں زاد سب شعر کہتے تھے۔ عنایت کے والد ہدایت علی خان ناظر ٹونکی مزاح گو تھے۔ عنایت بھی ان کے ساتھ مشاعروں میں جایا کرتے تھے۔

عنایت علی خان نے مختلف سنجیدہ و مزاحیہ اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ اور کمال خوبی سے انھیں نبھایا ہے وہ مختلف اصناف کے جذباتی و فنی تقاضوں سے واقف ہیں۔ ان کی شاعری ''مرگِ احساس'' کی بجائے ''احساس زیست'' کی شاعری ہے:

آپ نے بزم سخن میں جو مجھے یاد کیا
دوستو اس کے لیے آپ کا مشکور ہوں میں
اپنی کیفیت دلی آپ سے کیا عرض کروں
کس قدر غم زدہ، افسردہ ور نجور ہوں میں
شعر کہنا بھی جو چاہوں تو کہہ نہیں سکتا
خوش مزاجی کے تصور سے بھی مہجور ہوں میں
مرگِ احساس کا طعنہ تو نہیں سہہ سکتا
ایسے ماحول میں، میں شعر نہیں کہہ سکتا (۱)

سقوط ڈھاکہ کے فوراً بعد کہے گئے یہ اشعار زندگی اور ادب سے متعلق شاعر کے نظریے کے ترجمان ہیں۔

عنایت علی خان کی شاعری مقصدیت سے وابستہ فکر و عمل کی شاعری ہے اور حرکت و عمل کا پیغام دیتی ہے۔ ان کی شاعری محض داخلی کیفیات کا اظہار ہی نہیں بلکہ معاشرے کے مثبت و منفی رویوں کی آئینہ دار بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی حمد و نعت اظہار عقیدت سے بہت کچھ آگے تسلیم و بندگی اور اطاعت و عمل کا نمونہ ہے۔

میں مدارِ جاں سے گزر سکا تو تری کشش کے طفیل سے
یہ ترے کرم کا کمال تھا کہ حصارِ ذات کو ڈھا دیا

اور نعت کے یہ اشعار:

ترے حسن خلق کی اک رمق میری زندگی میں نہ مل سکی
میں اسی میں خوش ہوں کہ شہر کے در و بام کو تو سجا دیا
میں ترے مزار کی جالیوں ہی کی مدحتوں میں مگن رہا
ترے دشمنوں نے ترے چمن میں خزاں کا جال بچھا دیا

اردو شعری روایت میں انفرادیت کے حامل ہیں ۔ اور شاعر کی خدا اور رسول سے محبت اور تسلیم و اطاعت کا نمونہ ہیں۔ عنایت کے ہاں شوق حرم کعبہ اور دربار نبیؐ کی آرزو بھی دیدنی ہے

حرم آخر حرم ٹھہرا ، ازل سے محترم ٹھہرا
مجھے تو رشک ہے خود پر کہ مہمان حرم ٹھہرا
جو ہوتا ہم سفر غالبؔ تو میں اس کو یہ بتلاتا
کہ دیکھا! اس جگہ آکر تمنا کا قدم ٹھہرا

اور

سوائے طیبہ و بطحا کہاں سکون ملے
قرار پائے عنایت کا قلب زار کہاں (۲)

پروفیسر عنایت علی خان ایک نظریاتی شاعر ہیں ۔ اور بقول عتیق احمد جیلانی

''توضیح اور تخصیص کے خیال سے انھیں دینی یا اسلامی شاعر بھی کہا جاسکتا ہے ۔ اسلام ان کا نظریہ بھی ہے اور مشن بھی ......وہ زبان سے قلم تک اور خطابت سے شاعری تک، کسی سلاح حرب کی آزمائش سے کبھی نہیں چوکتے ، اگلے مورچے میں ڈٹے ہوئے سپاہی کی طرح ، دشمن کی خفیف ترین پیش قدمی کو بھی نظرانداز نہیں کرتے ۔ عصر موجود میں ملت اسلامیہ کی سیاسی ، جغرافیائی ، ثقافتی اور نظریاتی سرحدوں پر ہمہ وقت نگاہ جمائے حربی حکمت عملی پر غور کرتے رہتے ہیں ۔ ردّعمل کے اظہار میں ایک لمحہ ضائع نہیں کرتے ۔ مصلحت اور مصالحت کا شکار نہیں ہوتے ۔ جیسے شاعری میں دکھائی دیتے ہیں ویسے ہی اپنی عام زندگی میں نظر آتے ہیں ۔ شخصیت کی یک رنگی ، ایک نظریاتی شاعر ہونے کے حوالے سے ان کی بہت بڑی قوت ہے ۔''(۳)

پروفیسر عنایت علی خان کے ہاں موضوعات کا تنوع قابل توجہ ہے۔ عہد حاضر میں رونما ہونے والے متعدد واقعات اور عالمی شخصیات جن کے منفی ومثبت اقدامات دنیا میں تبدیلی کا باعث بنے ، کو موضوع سخن بنایا ہے۔ نیز مسلم امہ کے اجتماعی مسائل و معاملات پر بھی ان کی نظر گہری ہے۔ ان کے کلام میں ایک طرف افغانستان ، کشمیر، بوسنیا اور چیچنیا میں برپا تحاریک جہاد سے یک جہتی کا اظہار ملتا ہے تو دوسری طرف وہ نئے عالمی نظام ، امریکہ اور یورپ کی ریشہ دوانیوں پر تنقید وتبصرہ کرتے نظر آتے ہیں ۔ ان کے ہاں سیاسی بازی گری ، سماجی ڈھانچے کی ٹوٹ پھوٹ ، تعلیمی نظام کی بربادی ، لاقانونیت اور انسانی جان کی ارزانی پر موثر اور جان دار نظمیں موجود ہیں ۔ وہ اپنی نظموں

میں مذہب وملت اور ریاست وسیاست سے متعلق کھل کر اظہار کرتے ہیں ۔

''دیوار برلن گر گئی'' میں ان کے کے سیاسی افکار کی وضاحت ہوتی ہے:

ظاہر تھا انجام زبوں آغاز ناہموار سے
ضعف عمارت تھا عیاں انداز کج آثار سے
کتنی دراڑیں پڑ گئیں افغان کی للکار سے
اور پھر زمین پر آرہی جمہور کی یلغار سے (۴)

(دیوار برلن گر گئی)

سیاسی نظموں کے حوالے سے ان کے ہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ دنیا میں وہ جہاں بھی مسلمانوں پر ظلم ہوتا دیکھتے ہیں اس پر تڑپ اٹھتے ہیں اور اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں ۔ظلم کے خاتمے کے لیے وہ عملی جہاد کو ضروری خیال کرتے ہیں ۔ جہاد کشمیر وافغانستان کے پس منظر میں لکھی گئی ان کی نظمیں اہمیت کی حامل ہیں اور دشمنانِ اسلام کے خلاف تلوار کا کام کرتی ہیں ۔

کسی کی شہادت کی خبر پر ان کی آواز ٹوٹتی نہیں بلکہ ان کے لہجے میں بانکپن آجاتا ہے ۔

تو نے اے راہِ شہادت کے جیالے راہی
شجر حق کو لہو دے کر برومند کیا (۵)

عنایت علی خان عہد حاضر کے معاشرتی مسائل وواقعات اور نظریاتی کشمکش کو اپنے مخصوص سماجی وتنقیدی شعور سے موثر انداز میں اجاگر کرتے ہیں ۔اس ضمن میں ان کی نظمیں میری میزبان ، پرسہ، سبب زوال امت ، ہمارا میڈیا، افغان مجاہدین سے، اور دیبل جدید نمایاں ہیں ۔

نظم ''دیبل جدید'' ملاحظہ ہو:

داہری لیٹروں نے ،عصر نو کے طوفان میں ، دہریت کے ساحل پر
نسل نو کی دانش کے
قافلے کو جل دے کر
مکروفن کے حیلوں سے
نفرتوں کے محبس میں
قید کر کے ڈالا ہے
فکر کی توانائی
حوصلوں کی جولانی
ذہن کے الاؤ کے بے لگام شعلوں میں ، اس طرح سے جلتی ہے
جیسے بجھ نہ پائے گی

راکھ ہو کے مانے گی!
جو ابھی ابن قاسم کی جراتوں کے وارث ہیں
وقت کا تقاضا ہے!
ان کو آگے بڑھنا ہے
بے حسی کے صحرا کی کاہلی کی وادی کی
راہ مختصر کر کے
ان کو آگے بڑھنا ہے
آج ایک نیا دیبل منتظر ہے پھر ان کا
ان کو آگے بڑھنا ہے منجنیق فن لے کر
منجنیق کے پتھر عزم والفت وایماں
پھر سے جمع کرنے ہیں
پتھروں کی بارش سے
دیبل تعصب کا، نفرتوں کے معبد کا، ہر نشاں گرانا ہے
نسل نو کی دانش کو
داہری ٹھکانوں سے
تنگ قید خانوں سے
بازیاب کرنا ہے۔(۶)

اس نظم میں عنایت علی خان نے بکھری حقیقتوں اور پراگندہ تاثرات پر مبنی علمی تحریکوں، کہ جن کی اصل سیکولرازم ہے، کو کس خوبی سے بے نقاب کیا ہے اور تعمیری تجدیدیت کا علم اٹھایا ہے۔ زیرِ نظر نظم میں موجود علامات واشارات توجہ کھینچتے ہیں اور ماضی، حال اور مستقبل کے احوال کی خبر دیتے ہیں۔

نظم ''میری میزباں'' (ائیر ہوسٹس سے) سے ایک بند:

ہر روز بن سنور کر تو آتی ہے اس طرح
سسرال جیسے جاتی ہے سج کر کوئی دلہن
ہر ہر ادا ہے جنس تجارت بنی ہوئی
نظروں کی شوخیاں ہوں کہ چتون کا بانکپن
محروم سوز و ساز تماشائے خدوخال
باد سموم غرب کا مارا ہوا چمن

اس تیرے تاجرانہ تبسم کے ساز پر
میں سن رہا ہوں غیرتِ قومی کی سسکیاں (۷)

مغرب نے انسان کو جنس تجارت بنا کر جس طرح اس کے وقار کو پامال کیا ہے اور مغرب کی اندھا دھند تقلید نے جس طرح غیرت قومی کی دھجیاں اڑائی ہیں، عنایت علی خان کا دل اس پر خون کے آنسو روتا ہے۔

عالمی طاقتوں کی دہشت گردی اور تخریبی کارروائیوں نے دنیا کو گھٹن زدہ کر دیا ہے۔ جہاں انفاس واشجار کے لیے سانس لینا دشوار ہو گیا ہے۔ عنایت نے اس ماحول کی کیا خوب منظر کشی کی ہے۔

اس بادِ شمالی میں جو بارود کی بو ہے
دوران تنفس سے گریزاں ہیں شجر تک (۸)

نظم کے علاوہ عنایت علی خان کی غزل بھی قابل توجہ ہے اور جیسا کہ رشید احمد صدیقی نے کہا ہے کہ ''ہماری تہذیب غزل میں اور غزل ہماری تہذیب میں ڈھلی ہوئی ہے۔ دونوں کو سمت ورفتار، رنگ وآہنگ، وزن و وقار ایک دوسرے سے ملا ہے''(۹)

تو عنایت کی غزل بھی ہماری تہذیب میں ڈھلی ہوئی ہے۔ ان کی غزل میں سیاسی وسماجی شعور کارفرما ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ لطیف جذبات واحساسات اور رنگینی ورنگین بیانی سے انہیں تعلق نہیں۔ بلکہ اعتدال وتوازن جوان کی شخصیت کا حصہ ہے وہی ان کے تغزل میں بھی نمایاں ہے۔ اقلیم عشق سے آگے زندگی کے دیگر حقائق پر بھی ان کی نظر ہے۔

بے شک غم جاناں کی تو اور بات ہے لیکن
سینے میں اگر دل ہو تو آزار بہت ہیں (۱۰)

مشاہدے کی گہرائی اور تجربے کی گیرائی نے ان کی غزل کو فکری وسعت اور فنی رعنائی عطا کی ہے۔

چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بے خطا شہر میں بس ایک مرا قاتل نکلا
ورنہ ہر شخص ہی تعزیر کے قابل نکلا
کیسی معصوم ادا کیسی ستم گر نکلی
شہر کا شہر اسی تیغ کا قاتل نکلا
ضبط غم نے جسے پلکوں سے نکلنے نہ دیا
اک وہی اشک مرے عشق کا حاصل نکلا

ہوس کے شہر طلب کے نگر میں رہتے ہیں
مقیم ہوتے ہوئے بھی سفر میں رہتے ہیں

قلب انسان سے خدا بننے کی خواہش نہ گئی

گرچہ واقف ہے کہ اس جرم کی تعزیر بھی ہے

؎ دنیا نے مہر و ماہ کی راہیں تو ڈھونڈ لیں
لیکن نہ آج تک بھی خود اپنا پتہ چلا

؎ ہمارے عزم کو آسانیاں نہ بھٹکا دیں
اسی خطر سے رہ پر خطر میں رہتے ہیں

؎ میں اک تنہا پیڑ کی صورت ہانپ رہا ہوں صحرا میں
وقت کی آندھی پوچھ رہی ہے ، اب بھی ہمت باقی ہے

اور ان کا یہ شعر تو ضرب المثل بن چکا ہے

؎ حادثے سے بڑا سانحہ یہ ہوا!
لوگ ٹھہرے نہیں حادثہ دیکھ کر (۱۱)

جذبات انسانی ،عظمت کردار ، مقصد حیات اور مسائل زندگی پر مبنی عنایت کے یہ اشعار غزل کی روایت کے حامل بھی ہیں اور اپنے عہد کا آئینہ بھی ۔

پروفیسر عنایت علی خان کی شاعری مقصد سے وابستہ ہے ۔ ان کا طرز سخن سنجیدہ ہو یا ظریفانہ، اس کا اختصاص عصری آگہی اور ناقدانہ شعور ہے ۔ وہ اپنے زمانے کے تضادات ، ناآسودگیوں اور بوالعجبیوں سے نا صرف آگاہ ہیں بلکہ گہرا تنقیدی شعور بھی رکھتے ہیں ۔ وہ عالمی طاقتوں کی استعماریت کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہیں ۔ وہ اپنے ملک کے فوجی و جمہوری حکمرانوں کو امریکی استعماریت ہی کی توسیع سمجھتے ہیں اور انہیں بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں ۔

ملکی و عالمی سیاسی نظام کے علاوہ معاشرتی ناسوروں پر بھی ان کی نظر گہری ہے ۔مغربی تہذیب کے زیر اثر مضحکہ خیز تہذیبی مظاہرے بھی عنایت کی شاعری کا موضوع ہیں ۔

سنجیدہ شاعری کے ساتھ ظریفانہ شاعری میں پروفیسر عنایت علی خان کا رنگ سخن اور کھلتا ہے ۔اور قاری پر اثر انداز ہوتا ہے ۔ اور یہی رنگ خاص ان کی پہچان بھی ہے ۔وہ مذاق ہی مذاق لیکن اپنے شائستہ وشگفتہ انداز میں عوام وحکمرانوں سے نہ صرف چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں بلکہ موقع ملنے پر چٹکیاں بھی بھر لیتے ہیں۔لیکن ایسے کہ متاثرین دانت پیسنے سے پہلے مسکرا اٹھتے ہیں ۔ وہ معاشرتی ناسوروں پر بہت مہارت سے نشتر زنی کرتے ہیں ۔ اس ضمن میں ان کی نظمیں شکوہ بہ حضور بلدیہ، مکھن لگاؤ بھیا ، اجلاس ہو نہیں سکتا ، پڑھو گے لکھو گے تو ...... ، ذرا یہ ورلڈ کپ ہو لے، بحر بیکران آزادی ، دو بھی کیوں ،م سے میں ، بول میری مچھلی اور یہ فیشن کے نئے رنگ ہیں ، قابل ذکر ہیں ۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

حیدرآباد کہ واقع ہے بڑے دریا پر
یوں بھی ہوتا ہے کہ اس شہر کے باسی اکثر

تشنۂ لب ماہی بے آب کی صورت گھر گھر
آبرو کو تری دیتے ہیں دعا ہل ہل کر
لب جو سوکھے گلۂ آب رسانی نہ رہا
تجھ کو رونے کے لیے آنکھ میں پانی نہ رہا
(شکوہ بہ حضور بلدیہ)

ماتحت ، افسروں کو مکھن لگا رہے ہیں
مکھن لگا لگا کر الو بنا رہے ہیں
تعریف کر رہے ہیں پانی چڑھا رہے ہیں
افسر پھسل پھسل کر شیشے میں آ رہے ہیں
مکھن لگاؤ بھیا ، مکھن سے کام ہوگا
(مکھن لگاؤ بھیاّ)

سفارش کی گھاٹی نہ پاٹو گے تم
تو چکر دفاتر کے کاٹو گے تم
بھلا ایسی ڈگری کو چاٹو گے تم
بغل میں لیے گھاس کاٹو گے تم
نہ کھل پائیں گے آرزو کے گلاب
پڑھو گے لکھو گے تو ہو گے خراب
(پڑھو گے لکھو گے تو ......)

مجھے ہمسائے کے گھر میں جو نہی شعلے نظر آئے
تو قبل اس سے کہ یہ آتش مرے گھر تک پہنچ جائے
بہ عجلت تھانے اور فائر بریگیڈ فون کھڑکائے
مگر دونوں جگہ سے یہ جواب لاجواب آئے
ذرا یہ ورلڈ کپ ہولے تو اس کے بعد دیکھیں گے
(ذرا ورلڈ کپ ہولے)

(۱) (۲)

رانی نے اک توتا پالا
رنگت جس کی دھانی دھانی
یہ توتا گر چونچ ہلائے (۳)
راج پاٹ سب چوپٹ ہوجائے
بیٹھا سر نہوڑائے ہوئے ہے
گونگے کا گڑ کھائے ہوئے ہے
بولے تو وہ کیسے بولے
کیسے اپنی چونچ وہ کھولے
اس کو بھی ہے پریت نبھانی
اس کو بھی ہے چوری کھانی

(۱) بے نظیر
(۲) فاروق لغاری
(۳) آٹھویں ترمیم

بول میری مچھلی کتنا پانی
بول میری مچھلی کتنا پانی (۱۲)

(بول میری مچھلی)

عنایت کی یہ نظمیں ہماری سیاسی وسماجی صورتِ حال پر بہترین طنزیہ ومزاحیہ تبصرے ہیں۔

عطاء الحق قاسمی نے پروفیسر عنایت علی خان کو ''شاعروں کا پطرس'' کہا ہے (۱۳) کیونکہ پطرس کی طرح عنایت حالات کی ناموزونیت اور تضاد سے طنز ومزاح کا مواد حاصل کرتے ہیں۔ ان کے ہاں زندگی کی رنگ کمنٹری ہی نہیں ملتی بلکہ وہ چھوٹے چھوٹے واقعات سے زندگی کے معنویت اخذ کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ وہ معاشرتی بوالعجبیوں پرشرارت آمیز نظر ڈالتے ہیں۔ اور ان منظروں میں دوسروں کو شریک کرکے ہنسنے ہنسانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ کلیات عنایت میں تیس کے قریب مزاحیہ غزلیات ہیں۔ ان کی کچھ غزلیات میں مزاح منفرد ردیفوں کے ذریعے پیدا کیا گیا ہے۔ جیسے ہوگیا نا، کیا سمجھے؟، زیرغور ہے، زمانے گزر گئے، کی اجازت نہیں دی جائے گی، مذاق ہی مذاق میں وغیرہ۔

ان کی غزل کا ہر شعر ایک نئے سیاسی وسماجی منظر نامے کو سامنے لاتا ہے۔ اور معاشرے میں موجود ناہمواریوں اور تضادات کا پردہ چاک کرتا ہے۔ ہمارے ہاں فرقہ پرستی عام ہے۔ ہر مکتبہ فکر کی الگ مسجد ہے اور

الگ نمازی۔ ایسے میں مسجد کے امام کا تعین مشکل مرحلہ ہے۔عنایت نے اس مشکل کو یوں بیان کیا ہے۔

کج بحثیوں میں تین مہینے گزر گئے
کس ڈھب کا ہوا امام ابھی زیر غور ہے

روشن خیالی اور بنیاد پرستی کی کشمکش کو یوں واضح کیا ہے

توجولبرل ہے تو میں بھی نہیں بنیاد پرست
ایک ہی جیسے ہیں ہم دونوں مسلمان جاناں

رشوت اور کرپشن معاشرے کا ناسور ہیں ___ چپڑاسی سے لے کر افسراعلیٰ تک سب اس کارخیر میں مصروف ہے۔ بہت سوں کے نزدیک تو یہ اب برائی بھی نہیں رہی بلکہ اس تحفے یا نذرانے کو اپنا حق سمجھ کر قبول کیا جاتا ہے۔

؎ میاں جاتے ہی منہ پہ مارتے دس قائد اعظم
جو دس گھنٹے کسی افسر سے سرمارا تو کیا مارا

؎ ہمیں اب اپنی برطرفی کا کوئی غم نہیں یارو
کہ پشتوں تک چلے گا مال ، اتنا مار بیٹھے ہیں

؎ ایک ڈکیتن نے کہ جس کا نام ہے رشوت جہاں
افسران پاک کے ایماں کو اغوا کرلیا

رشوت اور کرپشن کے ساتھ خوشامداور''جی حضوری'' بھی بہت ضروری ہے۔

قابلیت ہے پہ ماتحتی نہیں آتی تمہیں
جی حضوری ، عاجزی ، تحفے ، بٹر کچھ بھی نہیں

تضادات پر مبنی معاشرے میں ہم مولوی کی مرغ سے رغبت پر تو احتجاج کرتے نظر آتے ہیں۔لیکن عوامی نمائندوں کی کرپشن پر ہماری نظر نہیں ہوتی۔

؎ مولوی مرغ بھی کھالے تو قیامت آجائے
ملک کھا جائیں منسٹر تو کوئی بات نہیں
ڈائنا کے لیے گھر گھر صف ماتم بچھ جائے
مرگئے بھائی دلاور تو کوئی بات نہیں

دور حاضر میں عورت کی دلچسپیوں اور مصروفیات پر نظر ڈالی ہے:

جاب ، شاپنگ ، کلب ، ویلفیئر کے سوکام
میری گھر والی کو فرصت بھی ہو گھر آنے کی

عورت اور میک اپ لازم وملزوم ہیں۔میک اپ کے جادوئی اثرات کے خاتمے پر صورت حال دردناک ہوجاتی ہے:

بلا میک اپ اسے دیکھا ہی کیوں تھا
تمناؤں کا کونڈا ہوگیا نا !

مذہبی پابندیوں کی تو کسی کو پرواہ نہیں۔ہاں سیاسی و معاشرتی پابندیوں سے انحراف کی اجازت نہیں۔

یہ شریعت کا نہیں گیس کا بل ہے بیگم بلبلانے کی اجازت نہیں دی جائے گی

''زندگی اور قیامت میں ری لیشن سمجھو'، بارہ اشعار کی غزل میں انگریزی زبان کے استعمال سے زبان کی تبدیلی کے ساتھ ذہن ودل کی تبدیلی کو بیان کیا ہے۔

معاشرتی ناہمواریوں کے ساتھ سیاسی مسائل پر بھی نظر خوب ہے:

ملک ہے یا رہنماؤں کی ہے اپنے لانڈری
جا کے دھوآتے ہیں ہر جرم و خطا انگلینڈ میں

بندۂ خاکی کی ترکیب سے کس عمدگی سے مارشل لاء پر چوٹ کی ہے:

عروج بندہ خاکی سے لیڈر سہمے جاتے ہیں
کئی اندر ہوئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

ملکی وغیر ملکی حکمرانوں پر یوں طنز کرتے ہیں:

بجا کہ آپ سپرطاقتوں کے چمچے ہیں
ہمارے ساتھ ہمارا خدا ہے کیا سمجھے ؟

جدید صنف شاعری پر، پُر لطف تبصرہ کرتے ہیں:

قمر جمیل نے ایجاد کرکے نثری نظم
چچا کی روح سے بدلہ لیا ہے ، کیا سمجھے ؟ (۱۴)

ڈاکٹر جمیل جالبی اپنے مضمون ''شاعری کی پتلیاں'' مشمولہ عنایت علی خان فن وشخصیت مرتبہ محمد افضل عبدالطیف انصاری میں عنایت علی خان کی زبان و بیان پر قدرت کے حوالے سے کہتے ہیں:

''انہیں زبان وبیان پر قدرت حاصل ہے اور اس قدرت کی وجہ سے ان کا شعر اثر وتاثیر میں ڈوب کر دل میں اتر جاتا ہے۔ پھر وہ ردیف قافیوں کے انتخاب سے ایسی ندرت اور تیکھا پن پیدا کرتے ہیں کہ طنز ومزاح پر اثر ہوجاتا ہے۔ ساتھ ہی روز مرہ ،محاورہ اور لفظی صنعتوں خصوصاً رعایت لفظی کے بے تکلف استعمال سے وہ کلام میں ایک لطف پیدا کردیتے ہیں۔''(۱۵)

عنایت غزل کے ساتھ قطعہ بھی خوب کہتے ہیں۔مثالیں ملاحظہ ہوں:

حیرت کی کچھ بات نہیں قدرت کا قانون ہے یہ
ہر موسم کی ہوتی ہے اپنی بولی اپنا راگ

ماضی میں سب کہتے تھے پاکستان کو زندہ باد
اب تو سب یہ کہتے ہیں، ’’پاکستان سے زندہ بھاگ‘‘

(جب اور اب)

محکوم نہیں آزاد ہیں ہم ،کب کس کی خوشامد کرتے ہیں
مجبوری اور لاچاری کے الزام کو ہم ردّ کرتے ہیں
آزاد تجارت میں لیکن ہم ایک توازن رکھتے ہیں
ٹیلنٹ برآمد کرتے ہیں اور ایڈدر آمد کرتے ہیں

(توازن)

مصرعوں کے ارتباط کا اعجاز دیکھیے
اکبر کی فکر پیر کو کیا کردیا جواں
بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
تھی جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں(۱۶)

(ارتقاء)

عنایت علی خان مزاح کے پردے میں سیاسی و معاشرتی زوال اور اقدار کی پامالی کا صرف تذکرہ ہی نہیں کرتے بلکہ اپنے مخصوص سماجی وتنقیدی شعور کی روشنی میں بامعنی تبصرہ بھی کرتے ہیں جو قاری کو فکر وعمل کی دعوت دیتا ہے۔ ان کا مزاح ایک واضح ہدف رکھتا ہے۔ جو دل سوزی سے لبریز اور اصلاح ملّی کے جذبے سے سرشار ہے اور بقول انور مسعود:

’’ان کا کلام کٹیلا بھی ہے، رسیلا بھی اور دردیلا بھی‘‘(۱۷)

المختصر مشاعروں میں مقبولیت حاصل کرنے والے ان کے کلام کو صفحہ قرطاس پر دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کلام سننے ہی کی نہیں ، پڑھنے کی بھی چیز ہے۔ ان کا کلام بیک وقت مسرت بخش اور بصیرت افروز ہے اور دوگونہ اثر رکھتا ہے۔

حوالہ جات:

(۱) کلیات عنایت مع تبصرہ جات: پروفیسر عنایت علی خان، کراچی: ۲۰۱۱ء، ص ۷۵
(۲) ایضاً، ص ۳۲۲، ۳۲۳، ۴۳، ۴۵
(۳) مضمون مشمولہ کلیات عنایت: پروفیسر عنایت علی خان، کراچی: ۲۰۱۱ء، ص ۵۵۵
(۴) کلیات عنایت، ص ۵۳
(۵) ایضاً، ص ۶۳

(۶) ایضاً،ص ۱۰۱،۱۰۲

(۷) ایضاً،ص ۸۲،۸۳

(۸) ایضاً،ص ۷۶

(۹) جدید اردو غزل ، رشید احمد صدیقی ، لاہور: یونیورسل بکس ، ۱۹۸۷ء، ص ۱۷

(۱۰) کلیات عنایت ،ص ۱۴۹

(۱۱) ایضا ،ص ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۸، ۱۴۴، ۱۴۵

(۱۲) کلیات عنایت : ۱۶۳، ۱۶۷، ۱۷۰، ۱۸۷، ۴۲۹، ۴۳۰

(۱۳) عنایت نامہ (انتخاب کلام)، کراچی : کتاب دیس، ۲۰۰۹ء، ص ۲۲

(۱۴) کلیاتِ عنایت ،ص ، ۲۴۸، ۲۶۲ ، ۵۱۶، ۴۵۳، ۲۵۴، ۴۵۰، ۲۶۲۴، ۴۳۰، ۲۴۴، ۲۵۹، ۴۵۴، ۲۶۴

(۱۵) مضمون مشمولہ عنایت علی خان :فن اور شخصیت، مرتبہ محمد افضال عظیم / عبدالطیف انصاری، حیدرآباد: مکتبہ جلیسان ادب ، ۲۰۰۷ء، ص ۱۱

(۱۶) ایضاً، ۲۸۹، ۲۹، ۲۹۸، ۴۷۲

(۱۷) مشمولہ کلیات عنایت: پروفیسر عنایت علی خان ،ص ۶۲۵